بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

# مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی حکمتِ عملی

سید جلال الدین عمری

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجاز کے مشہور شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں منصبِ رسالت پر سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد تیرہ (۱۳) سال آپ کا قیام اسی مکہ میں رہا۔ پھر خدا کے حکم سے آپ مدینہ ہجرت کر گئے اور دس سال مدینہ میں جلوہ افروز رہے۔ ترسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں آپ اس دارِ فانی سے رخصت فرما گئے[1]

دوشنبہ ۱۷ رمضان مبارک کی تاریخ تھی کہ غارِ حرا میں آپ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی[2]۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا پر بارانِ رحمت کا نزول تھا۔ اس کا سلسلہ وقفہ وقفہ کے ساتھ حسبِ حال تیئس (۲۳) سال تک جاری رہا۔ اس کے اثرات پھیلنے شروع

---

[1] بخاری مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ مسلم، کتاب الفضائل، باب قدر عمرہ واقامتہ بمکۃ والمدینۃ۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے۔ علما نے اسی بیان کو صحیح اور مستند مانا ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت انس اور خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس سے کسی قدر مختلف روایات آئی ہیں۔ لیکن ان سب کی توجیہ کی گئی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان ہی صحابہ کرام سے سابقہ بیان کی تائید میں بھی روایات موجود ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مسلم مع شرح نووی ج ۵ جز ۱۵ ص ۹۹ — ۱۰۰۔ ابن حجر، فتح الباری: ۸/۱۵۰-۱۵۱۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۹۰-۱۹۱۔ حاکم نے بھی اسی کی تائید میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے اور مخالف روایات کو رد کر دیا ہے۔ المستدرک علی الصحیحین: ۳/۳ — [2] ابن سعد، طبقات: ۱۹۳-۱۹۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۷۶-۲۷۷۔ تحقیق مصطفیٰ السقاف، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی مطبوعہ بیروت ۱۹۹۵ء۔ اس سلسلہ میں ۷ رمضان، ۲۴ رمضان، ۸ ربیع الاول اور ۲۷ رجب کی روایات بھی ملتی ہیں۔ ملاحظہ ہو زرقانی علی المواہب اللدنیہ: ۱/۳۸۶-۳۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۶ء۔

ہوئے اور بہت جلد پوری سرزمین حجاز اس سے سیراب ہوگئی۔ پھر اسے وہ قوت و توانائی حاصل ہوئی کہ ایک مختصر سی مدت میں حجاز سے اٹھ کر یہ بادل دنیا کے بڑے حصے پر برسنے لگا۔

تاریخ کے اس انقلابی سفر کا آغاز مکہ مکرمہ سے ہوا۔ آیئے یہ دیکھیں کہ مکہ میں یہ کن حالات اور مراحل سے گزرا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں کیا رہنمائی فرمائی

## آغازِ وحی

غارِ حرا میں آپ نے خدا کے فرشتہ جبریلؑ کو اس کی حقیقی شکل میں دیکھا تو لرزہ براندام ہو گئے اور آپ پر دہشت سی طاری ہوگئی۔ یہ ایک نیا مشاہدہ اور ایک نیا تجربہ تھا۔ آپ نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ فرشتہ نے آپ سے پڑھنے کے لیے کہا، آپ نے فرمایا میں اُمّی ہوں پڑھ نہیں سکتا۔ فرشتہ نے آپ کو بار بار سینے سے لگایا اور خدا کا پیغام سنایا۔

| | |
|---|---|
| اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ | پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس |
| خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ | نے (سب کو) پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو |
| عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ | گوشت کے لوتھڑے سے۔ پڑھ! تیرا |
| الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ | رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ |
| الْاِنْسَانَ مَا لَمْ ۝ | تعلیم دی۔ ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں انسان |
| (العلق: ۱-۵) | نہیں جانتا تھا۔ |

فرشتہ چلا گیا اور آپ اس پیغام کو لے کر گھر پہنچے اور خوف سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے اس بالکل نئی اور غیر متوقع صورت حال سے آپ کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔

رسول اللہؐ نے غارِ حرا میں جو کچھ دیکھا اور جو سنا، سب سے پہلے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے بیان فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ توریت اور انجیل کے عالم اور وحی و رسالت کی حقیقت سے واقف تھے۔ اس لیے ان سے توقع تھی کہ وہ اس معاملہ میں کوئی صحیح بات بتا سکیں گے۔ ورقہ نے پورا واقعہ سننے کے بعد کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس خدا کا پیغام لایا کرتا تھا۔ بے شک آپ بھی ان ہی کی طرح خدا کے پیغمبر ہیں لیکن جس منصب پر

آپ کو فائنز کیا گیا ہے، اس میں مشکلات اور پریشانیاں ہیں۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ آپ نے حیرت سے سوال کیا کہ کیا میری قوم مجھے میرے وطن سے نکال دے گی۔ انھوں نے کہا ہاں، جب بھی کوئی شخص وہ پیغام لے کر آیا، جو آپ کے پاس آیا ہے، لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا۔ آپ کی تکذیب ہوگی، آپ کو اذیت دی جائے گی، آپ کو یہاں سے نکالا جائے گا اور آپ سے جنگ ہوگی اگر اس وقت میں زندہ رہا تو میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔ لیکن ورقہ بن نوفل زیادہ دنوں زندہ نہیں رہے[1]۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک وحی کی آمد رکی رہی۔ یہ وقفہ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے اس لیے تھا تاکہ آپ کی گھبراہٹ دور ہو اور آپ دعوت کی عظیم ذمہ داری اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار ہو جائیں[2]۔

جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو آپ نے فرمایا: میں نے اسی فرشتے کو دیکھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے میں نے کپکپی محسوس کی اور گھر جا کر کہا کہ مجھے چادر اڑھا دو اس وقت سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

---

[1] بخاری، کتاب بدء الوحی۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔ ایک روایت میں ہے کہ پہلے حضرت خدیجہؓ خود ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور آپ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا۔ اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔ بے شک یہ بھی اس امت کے نبی ہیں، ان سے کہو کہ ثابت قدم رہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ پھر حسب معمول آپ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسی دوران میں ورقہ نے آپ سے ملاقات کی اور کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا اور کیا سنا؟ آپ نے ساری تفصیل بیان کی تو انھوں نے وہ جواب دیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ابن ہشام: ۱/۲۷۴، ۲۷۵ نیز ملاحظہ ہو، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱/۱۱-۱۲ طبع بیروت ۱۹۹۶ء۔

[2] یہ وقفہ کتنا رہا، اس کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات سے اس کی مدت ڈھائی سال معلوم ہوتی ہے، بعض روایات سے چھ ماہ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کی مدت چند دن تھی۔ ابن حجر فتح الباری: ۱/۴۰ دار الفکر بیروت ۱۹۹۶ء۔

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ | اے چادر اوڑھنے والو اٹھو اور خبردار کرو اور |
| وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ | اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اپنے کپڑے |
| وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ | پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو اور احسان نہ |
| تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ | کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔ |

اس کے بعد وحی تسلسل کے ساتھ آنے لگی۔[1]

یہ انذار کا حکم تھا۔ یہ اس بات کا حکم تھا کہ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے اور انھیں بتایا جائے کہ کفر و شرک جس میں وہ مبتلا ہیں اور جس راہ پر چل رہے ہیں، وہ ان کے لیے تباہ کن ہے۔ نجات کا راستہ صرف یہ ہے کہ اللہ واحد کی بندگی اختیار کریں، آخرت پر یقین رکھیں اور آپ کی رسالت کو تسلیم کریں۔ اس طرح باقاعدہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا کام شروع ہو گیا۔

علامہ مقریزی کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ثم امرہ اللہ تعالیٰ فی هٰذہ | پھر اللہ تعالیٰ نے آیت 'قم فانذر' |
| الآیۃ (قم فانذر و ربک | (کھڑے ہو جاؤ اور انھیں ان کے انجام |
| فکبر) ان ینذر قومہ و | سے ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) |
| یدعوھم الی اللہ عز و | میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ |
| جل فشمر رسول اللہ صلی | آپ اپنی قوم کو آگاہ کریں اور انھیں اللہ |
| اللہ علیہ وسلم عن ساق | عز و جل کی طرف دعوت دیں۔ اس کے |
| الاجتھاد وقام فی طاعۃ اللہ | بعد آپ نے کمر کس لی اور اللہ تعالیٰ کی |
| اتم قیام یدعو اللہ تعالیٰ | اطاعت میں پوری طرح کھڑے ہو گئے |
| الصغیر والکبیر، والحر | اور اللہ کی طرف چھوٹے بڑے، آزاد غلام، |

---

[1] بخاری کتاب بدء الوحی، مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہؐ ایک روایت یہ ہے کہ فترتِ وحی کے بعد سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی تھی۔ لیکن صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ سورہ والضحیٰ کا شانِ نزول یہ ہے کہ علالت کی وجہ سے آپ دو تین دن قیام نہ کر سکے تو ایک عورت نے طنز کیا کہ شاید (نعوذ باللہ) تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی اور کہا گیا کہ آپ کو آپ کے رب نے چھوڑا نہیں ہے۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱/ ۱۵

| | |
|---|---|
| والعبد، الرجال والنساء الاسود والاحمر[1] | مرد اور عورت اور گورے اور کالے سب کو بلانے لگے۔ |

اب باقاعدہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا کام شروع ہوا۔ یہ کام مختلف مراحل سے گزرا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی عطا کردہ بصیرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تدابیر اور حکمت عملی اختیار کی، اس کے بڑے دور رس نتائج نکلے۔ اللہ کے دین کے لیے جاں نثار افراد ملے، اسے استحکام نصیب ہوا اور نازک ترین حالات سے گزر کر وہ کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوا۔[2]

## انفرادی دعوت

نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد آپ نے عام مجمعوں اور کھلے جلسوں میں اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچایا، بلکہ انفرادی طور پر ان لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی جن سے آپ قرب اور یگانگت محسوس فرماتے تھے اور جن سے کم از کم بات سننے کی توقع تھی یہ ایک طرح سے خاموش تبلیغ تھی۔ اس کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ ابن سعد کی روایت ہے:

| | |
|---|---|
| کان یدعو من اول ما نزلت علیہ النبوۃ ثلاث | نبوت کے نازل ہونے کے بعد سے تین سال تک آپ خفیہ طریقہ سے دعوت |

---

[1] مقریزی، امتاع الاسماع: ۱/۱۵

[2] علامہ ابن قیم آپ کی دعوت کے بارے میں لکھتے ہیں۔ لہا مراتب المرتبۃ الاولیٰ: النبوۃ، الثانیۃ: انذار عشیرتہ الاقربین، الثالثۃ: انذار قومہ، الرابعۃ انذار قوم ما اتٰہم من نذیر من قبلہ وھم العرب قاطبۃ، الخامسۃ: انذار جمیع من بلغتہ دعوتہ من الجن والانس الی اٰخر الدھر، زاد المعاد: ۱/۸۶ تحقیق شعیب ارنووط (دعوت کے کئی مراحل تھے پہلا مرحلہ خود نبوت کا تھا، دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ آپ اپنے قریب کے رشتے داروں کو ڈرائیں تیسرا مرحلہ آپ کی قوم کے درمیان انذار کا فرض انجام دینا تھا چوتھا مرحلہ ان لوگوں کے درمیان انذار کا تھا جن کے پاس آپ سے پہلے خدا کی طرف سے کوئی نذیر نہیں آیا تھا۔ اس میں سارا عرب آجاتا ہے۔ پانچواں مرحلہ ان تمام جن وانس کو خدا کے عذاب سے ڈرانا تھا جن تک آپ کی دعوت پہنچے۔ قیامت تک۔

| | |
|---|---|
| سنین مستخفیا الی ان امر | دیتے رہے یہاں تک کہ آپ کو کھل کر دعوت |
| یظہر بالدعاء[1] | دینے کا حکم دیا گیا (اور آپ کھل کر دعوت دینے لگے) |

اس کا تذکرہ عروہ بن زبیر نے ان الفاظ میں کیا ہے:

| | |
|---|---|
| لا یظہر الدعوۃ فی | اس مدت میں آپ صرف مخصوص |
| تلک المدۃ الا للمختصین | لوگوں ہی کے سامنے دعوت پیش فرماتے تھے۔ |
| ثم اعلن وصدع[2] | اس مدت کے ختم ہونے کے بعد آپ |
| | نے دعوت کا اظہار و اعلان کیا۔ |

## گھر کے محاذ پر کامیابی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ کو دیکھنے اور وحی کے نازل ہونے کا ذکر پہلے حضرت خدیجہؓ سے کیا اور جو کلام فرشتہ سے سنا تھا سنایا۔ انھیں جب اطمینان ہو گیا کہ آپ کے پاس فی الواقع خدا کا فرشتہ ہی آیا ہے اور ورقہ بن نوفل نے بھی اس کی تائید کی تو آپ ایمان لے آئیں۔ اس طرح سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو ایمان کی دولت ملی۔ یہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آپ کی پہلی اور بہت بڑی کامیابی تھی۔ یہ زندگی بھر کے رفیق کا ہم خیال و ہم سفر ہونا تھا۔ بعد کے ادوار میں اسلام کی دعوت کی وجہ سے بہت جلد چاروں طرف سے آپ کی تردید و تکذیب ہونے لگی، قدم قدم پر مخالفت شروع ہو گئی، ڈرایا دھمکایا جانے لگا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جانے لگیں۔ یہ سب کچھ باہر ہو رہا تھا۔ لیکن جب آپ گھر پہنچتے تو حضرت خدیجہؓ آپ کی ہر بات کی تصدیق و تائید کرتیں۔ باہر ہونے والی مخالفت کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش فرماتیں۔ آپ کو اطمینان اور تسلی دیتیں اور ہر اذیت اور دکھ کا مداوا بن جاتیں۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لا یسمع شیئا مما یکرھہ من | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تردید |

---

[1] ابن سعد، طبقات: ۱/ ۱۹۹

[2] الخمیس فی احوال انفس نفیس: ۱/ ۳۲۴

| | |
|---|---|
| ردّ علیہ وتکذیب له فیحزنه ذٰلك الّا فرّج الله عنه بها اذا رجع الیها تثبّته وتخفّف علیه وتصدّقه وتهوّن علیه امر الناس رحمها الله[1] | وتکذیب میں جو ناگوار بات سنتے وہ (فطری طور پر) آپ کے لیے غم وحزن کا باعث ہوتی لیکن جب آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچتے تو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اس حزن وملال کو دور فرما دیتا۔ وہ آپ کو ثابت قدمی کی تلقین کرتیں، آپ کے غم کو ہلکا کرتیں، آپ کی تصدیق وتائید کرتیں اور لوگوں کے رویہ کو بے وزن اور خفیف بنا کر پیش کرتیں۔ رحمہا اللہ |

حضرت خدیجہؓ کافی دولت مند خاتون تھیں۔ رسول اکرمؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے ہی ان کی تجارت بہت پھیلی ہوئی تھی۔ آپ پر ایمان لانے کے بعد انھوں نے اپنی ساری دولت آپ کے حوالے کردی کہ اس کو اللہ کے دین کی راہ میں جس طرح چاہیں اور جہاں ضرورت محسوس ہو خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے دین کی خاطر مال کی محبت سے اس طرح دست بردار ہوجانا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ کو یہی بڑا دل عطا کیا تھا۔ دعوت اسلامی کے بالکل ابتدائی اور نازک دور میں جب کہ آپ پوری طرح اس کے لیے وقف ہوگئے تھے۔ آپ کی تجارت عملاً ختم ہوچکی تھی اور آپ کا کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی دولت سے آپ کو بڑی مدد ملی۔ یہی بات آپ نے ایک موقع پر اس طرح بیان فرمائی ہے۔

| | |
|---|---|
| قد آمنت بی اذ کفر بی الناس وصدّقتنی اذ کذّبنی الناس وواستنی بمالها اذ | وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب کہ لوگوں نے میرا انکار کیا۔ اس وقت میری تصدیق کی جب کہ لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اس وقت اپنے مال کے ذریعہ میری |

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۷۷

| | |
|---|---|
| حرمنی الناس [1] | دل جوئی اور غم خواری کی جبکہ لوگوں نے مجھے اس سے محروم کر دیا تھا۔ |

ایک اور روایت کے الفاظ اس سے زیادہ واضح ہیں:

| | |
|---|---|
| واللہ لقد آمنت بی | خدا کی قسم وہ مجھ پر اس وقت ایمان |
| اذ کفر بی الناس وآوتنی | لائیں جبکہ لوگوں نے میرا انکار کیا اور اس |
| حین طردنی الناس و | وقت جگہ دی جب کہ لوگوں نے مجھے دور کر دیا |
| اعطتنی مالہا فانفقتہ | اور اپنا مال مجھے دے دیا اور میں نے اسے خدا |
| فی سبیل اللہ [2] | کی راہ میں خرچ کیا۔ |

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ ایمان لے آئے یہ گھر کے محاذ پر آپ کی مزید دو اور کامیابیاں تھیں۔ حضرت علیؓ آپ کے چچازاد بھائی تھے لیکن ان کی حیثیت آپ کی اولاد کی سی تھی۔ وہ آپ کے پروردہ اور آپ کے گھر کے فرد تھے۔ نبوت سے پہلے کی بات ہے کہ مکہ میں سخت قحط پڑا تھا۔ حضرت ابوطالب چونکہ کثیر الاولاد تھے اور معاشی لحاظ سے کچھ زیادہ آسودہ نہیں تھے اس لیے فطری طور پر سخت پریشان تھے۔ ان کی یہ پریشانی آپ سے نہیں دیکھی گئی۔ آپ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ اس وقت ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے ایک کا بوجھ میں برداشت کروں اور ایک کا آپ برداشت کریں۔ حضرت عباسؓ اس کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت ابوطالب سے مشورہ کے بعد حضرت عباسؓ اپنے ساتھ حضرت جعفرؓ کو لے گئے اور آپ حضرت علی کو اپنے گھر لے آئے [3]

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد جلد ہی حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دی۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو اس کا طریقہ بتایا۔ لوگوں

---

[1] مسند احمد: ۶ / ۱۱۸ — ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: تذکرۂ خدیجہؓ

[2] علی المتقی، کنز العمال طبع حیدر آباد ۱۹۶۴ء ۱۲ / ۱۶۷

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱ / ۲۸۳

کی نگاہوں سے بچ کر دونوں نماز ادا فرماتے تھے۔ دو ایک ہی دن گزرے تھے کہ حضرت علیؓ نے دیکھ لیا اور دریافت کیا یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور اسی کو لے کر اس کے پیغمبر دنیا میں آتے رہے ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ اور لات وعزیٰ کا انکار کر دو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے نہیں سنی۔ جب تک میں اپنے باپ ابوطالب سے اس کا ذکر نہ کروں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا علیؓ! اگر تم میری بات نہیں مان رہے ہو تو مجھے اصرار نہیں ہے لیکن اسے خفیہ رکھو۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس مرحلہ میں کسی کے علم میں یہ بات آئے کہ آپ کا طریقۂ عبادت دوسروں سے مختلف ہے۔ حضرت علیؓ اس رات خاموش رہے۔ پھر اس اثنا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں اسلام کی طرف رجحان پیدا فرما دیا۔ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ نے کل مجھ سے کیا فرمایا تھا؟ آپ نے اپنی پہلی بات دہرائی کہ 'لا الٰہ الا اللہ لاشریک لہٗ' کا اقرار اور لات وعزیٰ کا انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے جھوٹے شرکاء سے برأت ظاہر کرو۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ ایمان لے آئے۔ لیکن ابوطالب کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اوقات میں سب سے حتیٰ کہ اپنے چاؤں سے بھی چھپ کر حضرت علیؓ کے ساتھ مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھتے تھے۔ ایک روز حضرت ابوطالب نے دونوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جس پر تمہیں عمل کرتے میں دیکھ رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا چچا جان! یہ اللہ کا دین ہے، اس کے فرشتوں کا دین ہے، اس کے رسولوں کا دین ہے، یہی ہمارے باپ ابراہیمؑ کا دین تھا۔ اسی دین کے ساتھ اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے۔ چچا جان! میری نصیحت اور خیر خواہی کے اور میری دعوت کے جو میں دے رہا ہوں آپ سب سے زیادہ حق دار ہیں اور آپ اس کے بھی سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ اسے قبول کریں اور میری مدد فرمائیں۔ حضرت

---

[1] ذہبی، تاریخ الاسلام (السیرۃ النبویۃ) ۱/۱۳۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۱-۲۲

ابوطالب نے فرمایا بھتیجے! میں اپنے باپ دادا کے دین اور ان کے طریقہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ البتہ جب تک میں زندہ ہوں، خدا کی قسم تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی اور تمہارے ساتھ کوئی ناگوار واقعہ نہیں پیش آئے گا۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ابوطالب نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے جس پر تم عمل کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ابا جان! میں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں، اس پر جو دین نازل ہوا ہے اس کی تصدیق کی ہے، اس کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوں اور اس کا اتباع کر رہا ہوں۔ یہ سن کر ابوطالب نے کہا کہ وہ تمہیں خیر ہی کی طرف لے جائیں گے، ان کا ساتھ نہ چھوڑو۔[1]

حضرت علیؓ جس وقت ایمان لائے ان کی عمر دس سال تھی۔[2]

حضرت زید بن حارثہؓ کو آٹھ سال کی عمر میں زبردستی غلام بنا کر بازارِ عکاظ میں فروخت کر دیا گیا۔ حکیم بن حزام نے انھیں حضرت خدیجہ کے لیے خریدا اور حضرت خدیجہ نے رسول اللہؐ سے انکار کے بعد انھیں آپ کو ہبہ کر دیا۔ وہ آپ ہی کے پاس تھے کہ ان کے خاندان والوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے والد اور چچا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ آپ لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو تو بہ خوشی جا سکتا ہے، لیکن اگر وہ جانا نہ چاہے تو میں اسے زبردستی اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت زید کو بلایا اور پوچھا کیا ان لوگوں کو پہچانتے ہو۔ انھوں نے کہا ہاں! یہ میرے باپ اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے ساتھ میرا جو برتاؤ ہے، اس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے تو میرے ساتھ رہو یا ان لوگوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ حضرت زید نے فوراً جواب دیا میں آپ کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ آپ میرے لیے باپ اور چچا دونوں کے برابر ہیں۔ اس پر ان دونوں نے کہا کہ زید! افسوس ہے تم نے آزادی کے مقابلے میں غلامی کو پسند کیا۔ حضرت

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۸۳-۲۸۴

[2] حوالہ سابق ص ۲۸۲

زید نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ میں نے اس شخص میں وہ خوبیاں دیکھی ہیں۔ کبھی کسی دوسرے کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد آپ نے قریش کے درمیان اعلان فرمادیا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ زید میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ ان کو زید بن محمد ہی کہتے تھے[۱]

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ (بالغ) مردوں میں حضرت زید سب سے پہلے اسلام لائے اور حضرت علیؓ کے بعد دوسرے شخص تھے جنھوں نے نماز شروع کی[۲]

حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ نہ صرف یہ کہ آپ کے گھر کے افراد تھے بلکہ آپ ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

انت منّی وانا منك[۳] — تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں

ایک اور موقع پر فرمایا:

انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ[۴] — تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت میں

حضرت زید سے آپ اسی طرح محبت فرماتے جس طرح ایک باپ اپنی حقیقی اولاد سے محبت کرتا یا کرسکتا ہے۔ حضرت زید سے محبت کی وجہ سے ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ بھی آپ کو بے حد محبوب تھے، آپ نے اس کا اظہار ایک مرتبہ ان الفاظ میں فرمایا:

ان کان لمن احب الناس الیّ وان ھٰذا لمن احب الناس الیّ بعدہ[۵] — بلاشبہ زید لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے اور یہ (اسامہ) ان کے بعد سب سے زیادہ مجھے محبوب ہیں۔

---

[۱] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: تذکرۂ زید بن حارثہ، ابن اثیر، اسد الغابہ ۲: ۲۸۲/، طبع قاہرہ مصر ۱۹۷۰ء اس واقعہ کی تفصیلات میں تھوڑا سا جزئی اختلاف بھی ہے ملاحظہ ہو امام نووی کی تہذیب الاسماء واللغات: ۱/۲۰۲۔

[۲] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۴

[۳] بخاری، کتاب الصلح باب کیف یکتب ہذا ما صالح فلان ابن فلان۔ مسلم

[۴] ترمذی۔ ابواب المناقب روایۃ عبداللہ بن عمر

[۵] بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب زید بن حارثہ، مسلم کتاب الفضائل، فضائل زید بن حارثہ۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے صاحب زادے حضرت عبداللہ کا وظیفہ حضرت اسامہ سے کم مقرر کیا تو انھوں نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اسامہ کا وظیفہ تم سے زیادہ اس لیے ہے کہ رسول اللہؐ تم سے زیادہ انھیں چاہتے تھے اور تمہارے باپ سے زیادہ ان کے باپ سے محبت کرتے تھے۔"[1]

یہ روایات نبوت کے بعد کی ہیں۔ لیکن ان سے بہرحال اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ آپ کو کتنے عزیز تھے اور ان سے آپ کو کس قدر قلبی تعلق تھا۔ حضرت خدیجہ کے ایمان لانے سے آپ کی خانگی زندگی میں جو سکون ہم آہنگی اور توافق حاصل تھا، ان دونوں کے ایمان لانے سے اس کو زبردست تقویت پہنچی۔ اس طرح آپ کے ساتھ آپ کے گھر کے قریب ترین افراد کو ایک مقصد اور نصب العین نے جوڑ دیا اور سب آپ کی اتباع میں ایک منزل کی طرف چل پڑے۔ حضرت علی اور حضرت زید اس وقت ابھرتے ہوئے نوجوان تھے۔ اس لیے اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے غلبے و سربلندی کے سلسلے میں ان سے بڑی توقعات کی جا سکتی تھیں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے جس معاملے میں ان سے جو توقع کی پوری ہوئی اور ان دونوں کے ذریعے دین کی بڑی خدمات انجام پائیں۔

## حضرت ابوبکرؓ اسلام لے آئے

نزولِ وحی کے فوراً ہی بعد مذکورہ بالا شخصیتوں کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ بھی ایمان لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ کا دین ان کے سامنے پیش کیا، تو ایک لمحے کے لیے بھی انھیں آپ کے سچے اور اس دین کے دینِ حق ہونے میں شک نہیں ہوا اور بغیر کسی تردد کے اسے قبول کر لیا۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ما دعوت احداً الی | میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت |
| الاسلام الا کانت فیہ عندہ | دی اسے پس و پیش اور تردد ہوا سوائے |
| کبوۃ ونظر وتردد الا ما کان | ابوبکر بن ابوقحافہ کے میں نے جب ان سے |

---

[1] ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب زید بن حارثہ۔

| | |
|---|---|
| من آبی بکر بن آبی قحافة | اسلام کا ذکر کیا تو انھوں نے اس کے |
| ما عکم عنه حین ذکرته | قبول کرنے میں نہ تاخیر کی اور نہ کسی تردد |
| له و ما تردد فیه [1] | کا اظہار کیا۔ |

دین کے معاملے میں حضرت ابوبکر کا زندگی بھر یہی رویہ رہا۔ انھوں نے اس کے ہر حکم کا ہمیشہ والہانہ انداز میں اور آگے بڑھ کر استقبال کیا۔[2]

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ قریش آپ کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ صحیح ہے کہ آپ نے ہمارے معبودوں کو ترک کر دیا ہے، ہمیں بے وقوف بتا رہے ہیں اور ہمارے باپ دادا کی تکفیر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول اور نبی بنایا ہے تاکہ اس کا پیغام پہونچاؤں، میں تمھیں حق کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ اس کی ذات برحق ہے۔ اے ابوبکر! میں تمھیں 'اللہ واحد لاشریک لہ' کی طرف دعوت دے رہا ہوں، یہ کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی بنیاد پر تمھاری دوستی اور تعلقات ہوں، پھر آپ نے انھیں قرآن سنایا۔ انھوں نے زبان سے اقرار کیا اور نہ انکار۔ خاموشی سے اسلام لے آئے، بت توڑ پھینکے، شرکا سے علاحدگی اختیار کر لی، اسلام کا حق ہونا تسلیم کرلیا اور مومن صادق کی حیثیت سے لوٹے۔[3]

اس روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور اس کا انداز تو سامنے آرہا ہے لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ آپ نے یہ دعوت اس وقت دی جب کہ کفر و شرک پر کھل کر تنقید شروع کر دی تھی اور اس کی وجہ سے لوگوں کو شکایت ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ اولین اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان بزرگوں نے کس ترتیب

---

[1] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۸

[2] اس مفہوم کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو، کنز العمال: ۱۲/ ۱۶۷

[3] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۴

سے اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کی اس کے سلسلہ میں روایات میں اختلاف ہے۔ ان سب کی روشنی میں حضرت امام ابوحنیفہ کی یہ رائے زیادہ صائب نظر آتی ہے کہ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکرؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، موالی میں حضرت زید بن حارثہؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ سب سے پہلے اسلام لائے[۱]

حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت اپنے ماحول میں بہت نمایاں تھی۔ ان کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ اپنی قوم میں ہر دل عزیز اور محبوب تھے سب کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ انساب قریش کے بہت بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، ان کی اچھی اور بری تاریخ سے پوری طرح واقف تھے۔ با اخلاق تاجر تھے۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے[۲]

قریش اپنے نازک سے نازک معاملے میں ان پر اعتماد کرتے تھے۔ مثلاً جب کسی کے قتل کی دیت کی ذمہ داری وہ قبول کر لیتے یا کوئی دوسرا قبول کرتا اور وہ اس میں شریک ہو جاتے تو قریش کو اس کے نفاذ میں تامل نہ ہوتا۔ لیکن اگر وہ کنارہ کش رہتے تو کسی دوسرے کی ذمہ داری پر انھیں اعتماد نہ ہوتا[۳]

حضرت ابوبکرؓ کی انہی خوبیوں کی وجہ سے ان کے اسلام لانے کو اہل مکہ نے خاص اہمیت دی۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں:

"حضور اکرمؐ کی جب بعثت ہوئی تو میں بصرہ میں تھا۔ وہاں مجھ سے ایک راہب نے کہا کہ تمہارے یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہونے والا ہے بلکہ وہ ظاہر ہو چکا ہوگا چنانچہ واپسی پر میں نے لوگوں سے پوچھا، کیا شہر میں کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟ لوگوں نے کہا:

| | |
|---|---|
| نعم، محمد الامین تنبأ | ہاں محمد امین نے نبوت کا دعویٰ کر دیا |
| وقد تبعه ابن ابی قحافة[۴] | اور ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) نے ان کی |

---

[۱] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۲ [۲] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۸۶

[۳] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، تذکرۃ عبداللہ بن ابی قحافہ (ابوبکر)

[۴] ذہبی، تاریخ الاسلام (السیرۃ النبویہ) ۱/۱۳۹-۱۴۰۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۲/۲۲۹۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲/۲۴

پیروی شروع کر دی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا اسلام لانا دعوت کی راہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ یہ مکہ کی ایک محترم شخصیت کی رفاقت تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ رسول اکرمؐ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے سے اس قدر خوش تھے کہ مکہ میں آپ سے زیادہ کوئی دوسرا خوش نہیں تھا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرتے ہی اپنے تعلقات کے دائرہ میں، جو بہت وسیع تھا، اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| فلما اسلم ابوبکر | ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو انھوں نے |
| اظهر اسلامه و دعا | اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اللہ اور |
| إلى الله ورسوله[2] | اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔ |

اس ابتدائی دور میں، جیسا کہ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ تھی کہ دعوت و تبلیغ کا کام خاموشی کے ساتھ جاری رکھا جائے اور اس کا اظہار و اعلان نہ ہو۔ یہی طریقہ کار حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنایا۔ چنانچہ محمد بن اسحٰق نے اس دور میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ تبلیغ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| كان رجال قومه يأتونه | آپ کے علم اور تجارت اور آپ کی |
| ويألفونه لغير واحد من | بہترین صحبت کی وجہ سے آپ کی قوم |
| الامر لعلمه وتجارته و | کے لوگ ایک سے زیادہ معاملات |
| حسن مجالسته فجعل | میں آپ کے پاس آتے تھے اور آپ |
| يدعو الى الله والى الاسلام | سے انس اور یگانگت محسوس کرتے تھے۔ |
| من وثق به ممن يغشاه | جو لوگ آپ کو گھیرے رہتے تھے اور |
| ويجلس اليه[3] | آپ کے پاس اٹھتے بیٹھتے تھے ان میں |

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۳/۳۱۳، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۲/ ۲۵

[2] ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۶ [3] حوالہ سابق ص ۲۹۹

سے جس کے بارے میں آپ کو اعتماد
ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے۔

آپ کی اس دعوت کے نتیجہ میں بہت جلد حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن وقاص جیسی شخصیتیں دائرہ اسلام میں آگئیں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زیدؓ کے بعد ان ہی نے اسلام قبول کیا۔ یہ السابقون الاولون ہیں[1]

یہ وہ شخصیتیں ہیں جن کا شمار اپنی دینی خدمات اور قربانیوں کی وجہ سے ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری سنادی گئی تھی[2]

حضرت ابوبکر ایک شریف اور معزز انسان ہونے کے ساتھ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت بھی تھے۔ انھوں نے جس طرح اپنے دل و دماغ اور جسم و جان کو دین کی راہ میں لگایا، اسی طرح اپنی دولت اور سرمائے کو بھی اس کے لیے وقف کر دیا اور یہ سب کچھ اس وقت کیا جب کہ سارا ماحول دین کی مخالفت پر کمربستہ تھا یا اس سے بے رخی برت رہا تھا۔ اسی بات کو رسول اکرمؐ نے ایک مرتبہ اس طرح بیان فرمایا:

إن الله بعثني اليكم فقلتم كذبت وقال ابوبكر صدق وواساني بنفسه ومالـه[3]

اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا لیکن تم لوگوں نے (اس وقت) کہا کہ جھوٹ بولتے ہو اور ابوبکر نے کہا نہیں یہ سچ کہہ رہا ہے اور اپنے نفس اور مال کے ذریعہ میری ہمدردی اور خبرگیری کی۔

---

[1] حوالہ سابق: ص ۲۸۷ - ۲۸۹۔ اس سلسلہ میں بعض اور صحابہ کرام کے بھی نام آتے ہیں۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۳، ۲۴ [2] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر فی الجنہ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ وطلحہ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنۃ وسعد بن ابی وقاص فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ وابو عبیدہ بن الجراح فی الجنۃ۔ رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن سعید بن زید۔ مشکوٰۃ، کتاب المناقب، مناقب العشرہ۔ [3] بخاری، کتاب المناقب، مناقب ابی بکرؓ

عروہ بن زبیرؒ اور زید بن اسلم وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر جس وقت اسلام لائے۔ ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ انھوں نے اس دولت کو خدا کی راہ میں صرف کر دیا اور غلاموں کو آزاد کرایا جو مشرکین کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور غریب مسلمانوں کی مالی کفالت کی۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو صرف پانچ ہزار درہم آپ کے پاس رہ گئے تھے، انھوں نے یہاں بھی اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور دنیا سے اس حال میں گئے کہ ایک دینار اور درہم نہ چھوڑا۔[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ان من امن الناس علیّ فی صحبتہٖ و مالہ ابو بکر[2] | لوگوں میں سب سے زیادہ جس کی صحبت و رفاقت مجھے حاصل رہی اور جس نے سب سے زیادہ مجھ پر اپنا مال صرف کیا وہ ابوبکر ہیں۔ |

ایک اور حدیث میں ہے:

| | |
|---|---|
| ما لاحد عندنا یدٌ الا وقد کافینا کما خلا ابابکر فان لہ عندنا یدا یکافئہ اللہ بہا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر[3] | جس کسی نے بھی ہم پر احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ دے دیا۔ سوائے ابوبکر کے بے شک ان کا ہم پر وہ احسان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا۔ کسی بھی شخص کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا۔ |

ایک روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکر رو پڑے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! میں اور میرا مال آپ ہی

---

[1] ابن حجر: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ: ۳۴۲/۲، فتح الباری: ۱۳/۷

[2] بخاری: کتاب المناقب، باب قول النبی سدوا الابواب الا باب ابی بکر۔ مسلم، کتاب الفضائل، من فضائل ابی بکر الصدیق۔

[3] ترمذی: ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر۔

کے لیے تو ہے[1]

## دارِ ارقم

اب ان لوگوں کے لیے جو اسلام قبول کر رہے تھے ایک ایسی جگہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو ان کا مرکز ہو۔ جہاں وہ قرآن مجید کی تعلیم کے لیے جمع ہو سکیں جو اس وقت حسب حالات وہاں نازل ہو رہا تھا، جہاں وہ رسول اکرمؐ سے، جو سرچشمۂ ہدایت تھا قدم قدم پر رہ نمائی حاصل کر سکیں، جہاں ان کی فکری، اخلاقی اور عملی تربیت ہو سکے، جہاں وہ باہم مل کر اس دین کو پھیلانے کے لیے باہم مشورہ کر سکیں اور تدابیر سوچ سکیں اور جہاں وہ ایک دوسرے سے مل کر عزم و ہمت اور صبر و ثبات کا درس حاصل کر سکیں۔ اس کے لیے حضرت ارقم بن ارقم نے اپنا مکان پیش کر دیا، جو آبادی سے کسی قدر ہٹ کر صفا کی پہاڑی پر واقع ہونے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے بہت موزوں تھا[2]

ارقم بن ارقم ان لوگوں میں ہیں جو حضرت ابوبکر کی تبلیغ کے نتیجے میں مسلمان ہوئے تھے[3] اور اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب اسلام لانے والوں کی تعداد چھ اور بعض روایات کے مطابق دس سے زیادہ نہ تھی[4] اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اس مرکز کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ابن عبدالبر حضرت ارقم کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وفی دار الارقم بن الارقم | مکہ میں اسلام کی ابتدا میں نبیؐ انھیں |
| ھٰذا کان النبی صلی اللہ | ارقم بن ارقم کے مکان میں قریش سے |
| علیہ وسلم مستخفیا من | چھپے ہوئے تھے (ان کے سامنے |

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابہ: ۳۲۶/۳

[2] دار ارقم کی تاریخ کے لیے دیکھیے حاکم، المستدرک علی الصحیحین: ۵۷۴/۳ - ۵۷۶ طبع بیروت

[3] دیار بکری، الخمیس فی احوال انفس النفیس: ۳۲۴/۱

[4] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب؛ تذکرۂ ارقم بن ارقم۔ زرقانی علی المواہب: ۴۵۸/۱

| | |
|---|---|
| قریش بمکۃ یدعوا الناس فیہا إلی الاسلام فی اول الاسلام ..... واسلم فیہا جماعۃ کثیرۃ [1] | کھل کر نہیں آئے تھے) اسی میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے ..... اس مکان میں ایک بڑی جماعت نے اسلام قبول کیا۔ |

قاضی شیخ حسین دیار بکری المتوفی ۹۸۲ھ نے اس مکان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

| | |
|---|---|
| کان رسول اللہؐ مستترا فیہا فی بدء الاسلام وکان بہا اجتماع من اسلم من الصحابۃ وبہا اسلم عمر وحمزۃ وغیرہما، منہا ظہر الاسلام [2] | اسلام کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ صحابہ جو اس وقت اسلام لا چکے تھے اس میں جمع ہوتے تھے۔ اسی مکان میں حضرت عمر اور حضرت حمزہ نے اسلام قبول کیا اور یہیں سے اسلام کھل کر سامنے آیا |

تین سال تک دارارقم خاموش تبلیغ کا مرکز بنا رہا۔ اس کے بعد کھل کر اور علانیہ تبلیغ شروع ہوگئی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وکان بین ما اخفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرہ واستتر بہ إلی أن امرہ اللہ تعالی باظہار دینہ ثلاث سنین فیما بلغنی من مبعثہ [3] | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (دعوت کے) معاملہ کو جو خفیہ رکھا اور اللہ نے اپنے دین کے اظہار و اعلان کا حکم دیا اس کی مدت، مجھ تک جو روایات پہونچی ہیں ان کی رو سے بعثت سے تین سال تھی۔ |

ابن عبدالبر نے اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، تذکرہ ارقم بن ارقم۔ حاکم، مستدرک: ۳/۵۷۴ بہ روایت واقدی

[2] دیار بکری: الخمیس فی احوال انفس: ۱/۳۲۰ - ۳۲۱

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۹۹

| | |
|---|---|
| اسرّ رسول اللہ صلی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے |
| اللہ علیہ وسلم امرہ | کام تین سال تک یا اس سے کم وبیش |
| ثلاث سنین او نحوھا | پوشیدہ رکھا پھر اللہ نے آپ کو حکم |
| ثم امرہ اللہ باظہار | دیا کہ اس کے دین کو سب کے سامنے |
| دینہ والدعاء الیہ | ظاہر کردیں اور اس کی طرف ان کو دعوت |
| فاظہرہ بعد ثلاث سنین | دیں۔ چنانچہ اپنی بعثت کے تین سال بعد |
| من بعثہ لہ | آپ نے اس کا اظہار و اعلان کیا۔ |

اس طریقۂ کار کی وجہ انسان کی نفسیات اور ماحول کی رعایت تھی۔ وقت کا پورا نظام شرک پر قائم تھا۔ اسلام توحید کی دعوت دے رہا تھا۔ وحی و رسالت اور آخرت کا تصور ذہنوں سے محو ہو چکا تھا اور اسلام اسی بنیاد پر زندگی کی تعمیر کا نقشہ پیش کر رہا تھا، فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کے جس تصور میں ایک ایک فرد مست اور مگن تھا اسلام اس کے برخلاف کامیابی کے ایک نئے تصور کے ساتھ سامنے آیا تھا۔ وہ دنیا اور حیات دنیا کے بارے میں ایک نئے نقطۂ نظر کا رجحان تھا۔ ہر طرف اخلاقی قدریں پامال ہو رہی تھیں اور اسلام ان اقدار کو معاشرہ کی تعمیر اور اخروی فلاح کے لیے ضروری قرار دے رہا تھا۔ ان حالات میں جب کہ اسلام کی دعوت وقت کے عقیدہ، ذوق اور رجحان کے خلاف ایک نئی دعوت تھی اس کے قبول کرنے میں بہت سی ذہنی، فکری اور سماجی رکاوٹیں تھیں۔ اس پر غور و فکر کے لیے وہی افراد آمادہ ہو سکتے تھے جو صحیح الفطرت ہوں، جو ماحول کی بندشوں سے آزاد ہونے کی ہمت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس مدت میں اسی طرح کے افراد کی تلاش تھی۔ ماحول کے ذہن و مزاج اور رجحان کا خیال کئے بغیر اسلام کی دعوت ہر ایک کے سامنے پیش کی جاتی تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ پہلے ہی مرحلہ میں ہر طرف سے مخالفت کے طوفان امڈ آتے اور سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کا ماحول ختم ہو جاتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ

---

لہ ابن عبدالبر۔ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کی خاموش تبلیغ کے نتیجہ میں تین سال کی مختصر سی مدت میں مکہ کا جوہر خالص آہستہ آہستہ اسلام کی طرف کھنچنے لگا۔ اس دور میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ابن ہشام نے ان کی طویل فہرست دی ہے[1]

اس پوری فہرست میں ایک نام بھی ایسا نظر نہیں آتا جو زرِ خالص نہ ثابت ہوا ہو۔ اس کے ایک ایک فرد پر اسلامی تاریخ کو ناز ہے اور بجا طور پر ناز ہے۔ اس کے بعد ابن ہشام لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ثم دخل الناس فی | پھر اسلام میں لوگ، مرد اور خواتین |
| الاسلام ارسالا من الرجال | جماعت در جماعت داخل ہو گئے۔ |
| والنساء حتی فشا ذکر الاسلام | یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل |
| بمکۃ وتحدث بہ[2] | گیا اور ہر جگہ اس کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ |

اس طریقہ کار کی کامیابی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام کی شدید مخالفت سے پہلے ہی اتنی بڑی تعداد بھی اسلام کے دائرہ میں آگئی اور اسلام ہر طرف موضوع بحث بن گیا۔ (باقی آئندہ)

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۶-۲۹۹۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ۳۰/۳

[2] ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۹۹

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

**ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر**

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔
افسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپے
ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲